اِمتدادِ زمانہ اور تبدیلیٔ احکامِ شرعیہ

(اسلامی نظریۂ تعقّل و تدبّر اور اجتہاد کے تناظر میں)

مقبول حسن*

ABSTRACT:

Under this article it is elaborated that Islamic Shari'a is an active and dynamic law and code of life, capable to guide the mankind, in every walk of life, in every era, under its principle of "IJTEHAD" and "intellectual process". Except in the matters pertaining to Imaan and Worship, in all other areas of human life, legislation made by human being is allowed and permissible in the larger interest of the public, as well as fulfill the aims and objectives of the Shari'a. Islamic history is full of evidences that on the basis of "IJTEHAD", and in spite of "NASOOS", the changed and new orders were practiced in the interest of public at large.

It must be clear that IJTEHAD is an intellectual process, which allows Muslims to seek solutions of problems, that arise in the modern era, on the basis of principles laid down in Quraan and Sunnah. It is not the process of reconstruction of Islam. Actually it is the process to help the society passing through the evolutionary steps and new circumstances, correlate its problems with Islamic Shari'a, which is an integral part of Islam.

It is also clarified in this article that this new version of legislation, in spite of being present in"NASOOS", is not the change in "NASOOS"; but it is just a further explanation of the same, one that is required as per need of time and which is in the best interest of an individual and public at large. It is this dynamic aspect of Islamic Shari'a, which makes it prominent amongst the other Shara'i.

شریعتِ اسلامیہ ایک دائمی، رواں دواں اور فعّال شریعت ہے۔جس میں ایک طرف تو تا قیامت انسانوں کے لیے مستقل ہدایات و راہنمائی موجود ہے تو دوسری طرف تعقّل و تدبّر اور اجتہاد کے اسلامی اصول و تعلیم کے تحت اس میں ہر زمانے کے تقاضوں اور ضروریات سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت بھی۔حیاتِ انسانی ایک رواں دواں عمل کا نام ہے،جس میں قدم قدم پر نئے نئے معاملات و مسائل سامنے آتے رہتے ہیں۔شریعتِ اسلامیہ میں اس بات کی صلاحیت موجود ہے کہ ہر پیش آمدہ مسئلے میں راہنمائی دے سکے۔اس سلسلے میں جہاں ایک طرف انسان کو بالعموم تعقّل و تدبّر کی پُرزور تعلیم و تاکید کی گئی ہے تو دوسری طرف ''اجتہاد'' جیسے اصول کے ذریعے خاص اور منضبط انداز سے پیش

* شعبہ اسلامیات بحریہ کالج کارساز، کراچی، پاکستان

برقی پتا: maqboolhassan313@Gmail.com تاریخِ موصولہ: ۶/۶/۲۰۱۲ء

آمدہ جدید مسائل کا حل تجویز کرنے اور استنباطِ احکام کی گنجائش رکھی گئی ہے۔امت کی اس حوالے سے راہنمائی کے لئے کئی ناموراہلِ علم حضرات نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور گراں بہا کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں،تاہم ہر دور میں اس بات کی ضرورت رہتی ہے کہ شریعتِ اسلامیہ کے اس اہم پہلو کو طالبانِ علم اور صاحبانِ عقل وفہم کے سامنے لایا جاتا رہے تاکہ شریعت کا یہ حرکی (Active) پہلو سب کے سامنے تازہ و واضح رہ سکے اور غور وفکر کے نئے راستے کھلتے رہیں۔زیرِ نظر مقالے میں بندہِ عاجز نے تجزیاتی انداز اختیار کرتے ہوئے تاریخی وعلمی استناد واستدلال سے یہی کاوش کی ہے کہ امتدادِ زمانہ (With the passage of time) کے ساتھ سامنے آنے والے مسائل کے حل کے لیے اسلام کے تصورِ تعقل و تدبر اور اصولِ اجتہاد کو بروئے کار لاتے ہوئے استنباطِ احکام اور مسائل کا حل کیا جا سکتا ہے اور شریعتِ اسلامیہ میں اس حوالے سے کوئی جمود وتعطل ہرگز نہیں پایا جاتا۔

شریعت:

شریعت لفظ ش ر ع ---شَـــــرع" سے ماخوذ ہے جسکے کئی معنیٰ ہیں،مثلاً صاف راستہ پر چلنا،راہ ڈالنا،ظاہر ہونا،پانی کے اندر آنا،برابر کرنا،شروع کرنا،طور،طریقہ،آئین۔دستور(۱)۔ا،ب،ج

اصطلاحی طور پر شریعت سے مراد قانونِ محمدی اور دین کے اُس طریقے کے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مقرّر کیا ہے اور اس پر چلنے کا حکم دیا ہے (۲)۔ا،ب

شریعت کا مترادف ایک لفظ منہاج بھی ہے،امام راغب کی مفردات القرآن کے مطابق:

''ابنِ عباس سے مروی ہے کہ شریعت سے مراد وہ احکام ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں۔اور منہاج سے مراد وہ احکام ہیں جو سنّت میں مذکور ہیں۔''(۳)

اُردو دائرہِ معارفِ اسلامیہ کے مطابق:

لفظ شریعت یا شریعت اسلامیہ جب دُنیا کے مروّجہ قوانین کے مقابلے میں مستعمل ہو تو اس سے مراد وہ تمام احکام ہوتے ہیں جن پر دینِ اسلام مشتمل ہے۔(۴)

ڈاکٹر صبحی محمصانی کے مطابق:

''مسلمانوں کے نزدیک شریعت یا شرع اس مذہب کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعے نازل فرمایا۔''(۵)

شریعتِ اسلامیہ کا تصورِ تعقل و تدبّر

شریعتِ اسلامیہ کوئی جامد (STATIC) قسم کی شریعت نہیں کہ جس میں غور وفکر اور عقل کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔بلکہ اس میں قدم قدم پر غور وفکر اور تعقل و تدبّر پر ابھارا گیا ہے،اور اسکی حوصلہ افزائی و تحسین کی گئی ہے۔کیونکہ

شریعتِ اسلامی تا قیامت انسانیت کیلئے ہدایت وراہنمائی ہے۔

قرآن مجید کے نزدیک عقلی قوتوں کو معطل رکھ کر غور وفکر سے کام نہ لینا، اندھا دھند کسی کی پیروی کرنا اور اوہام و خرافات کے پیچھے پڑنا انسان کا عیب گردانا گیا ہے۔ اور عقل کی کسوٹی پر پورا نہ اترنے والا مذہب جھوٹا قرار پاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں بارہا غور وفکر، تدبّر وتعقّل کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور خود قرآن نے قرآنی تعلیم کو سمجھنے کے لئے عقلی استدلال سے کام لینے کا کہا ہے۔ قرآنِ مجید میں تعقل وغور وفکر جیسے الفاظ کی تعداد کچھ یوں ہے:(۶)

عقل...۴۹ مرتبہ، اولوالاباب..۱۶ مرتبہ، تفکر...۱۸ مرتبہ، فقہ وتفقہ ...۱۹ مرتبہ، یقین ...۲۸ مرتبہ، حکمت...۲۰۴، حق...۲۶۱ مرتبہ، علم ۹۰۲ مرتبہ۔

دوحوالے پیش ہیں:

۱۔ اللہ ربُ العزت نے اپنے حبیب کی زبانِ اطہر سے مخاطبین کو کہلوایا:

اَفَلا یَتَدَبّرُونَ القُراٰنَ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیرِ اللّٰہ لَوَجَدُوا فِیْہِ اِخْتِلَافاً کَثِیْراَ.(۷)

''بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو وہ اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔''

۲۔ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللہَ لَکُمُ الآیٰتِ لَعَلَّکُم تَعقِلُوْنَ.

''اسی طرح اللہ تمہارے لئے احکام بیان کرتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو۔(۸)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تمہیں کسی شخص کا اسلام اُس وقت تک تعجب میں نہ ڈالے جب تک تم اس کی عقل کی گرفت کا اندازہ نہ کرلو۔''(۹)

یعنی انسان کی عقل اسے نیکیوں پر ابھارتی اور فسق و فجور سے روکتی ہے اور انسان کا اسلام اسے عقل کے صحیح استعمال پر ابھارتا ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب اپنے کسی صحابی کی عبادت کے بارے میں اطلاع ملتی تو آپ ﷺ دریافت فرماتے:

''اسکی عقل کیسی ہے؟ اگر یہ بتایا جاتا کہ وہ عقلمند ہے تو فرماتے کہ تمہارا ساتھی اس لائق ہے کہ منزلِ مقصود کو پہنچ جائے، اور اگر یہ بتایا جاتا کہ وہ عقلمند نہیں ہے تو فرماتے وہ اس لائق ہے کہ منزلِ مقصود کو نہ پہنچے۔''(۱۰)

۔۔۔یہ اس لئے کہ اگر وہ عقلِ صحیح کا مالک ہوگا تو اللہ کی عبادت کا صحیح حق ادا کرے گا اور دین کے تقاضوں کو درست سمجھ کر اُنھیں صحیح مقام پر رکھے گا وگرنہ افراط وتفریط کا شکار ہوکر اُلٹا گمراہ ہوجائیگا۔ امام غزالی فرماتے ہیں:

''اس کو بھی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت کے تمام احکام عقلی مصالح پر مبنی ہیں اور یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ محض عقلی مصالح کسی چیز کے فرض کرنے یا حرام کرنے کے لئے کافی ہیں۔''(۱۱)

امام غزالیؒ مزید عقل و نقل کے باہمی تعلق کے بارے میں فرماتے ہیں:

''نہ عقل کو نقل سے استغناء، نہ نقل عقل سے بے نیاز ہے جیسا کہ عقل کو معزول کر کے محض تقلید کی طرف بلانے والا جاہل ہے۔اسی طرح وہ شخص بھی دھوکہ میں ہے، جو قرآن و سنّت کے انوار سے علیحدہ ہوکر صرف اپنی عقل پر بھروسہ کرے تو تم کو ان دونوں گروہوں میں سے کسی میں بھی داخل نہ ہونا چاہیے، کیونکہ علوم ِعقلیہ، عقل کی غذاء اور علومِ شریعہ اسکی دوا ہیں۔اور جو مریض دوا کو استعمال نہ کرے اسے (محض) غذاء کے استعمال سے نقصان پہنچ جاتا ہے۔''(۱۲)

دنیا کے تمام مذاہب و شرائع ہمیشہ اس عقدہ کے حل میں ناکام رہے ہیں کہ مذہب و شَرع میں عقل کا کیا مقام مقرر کریں؟ اور انھوں نے بالآخر عقل کا یہ مقام و مصرف طے کیا کہ تمام دُنیاوی معاملات عقل کے سپُرد کر دئے اور روحانی و معادی معاملات مذہب کے حصے میں رکھے۔جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ انسانی معاشرہ شدید فکری، اخلاقی اور تہذیبی بگاڑ۔عدم توازن اور بے راہ روی کا شکار ہوگیا اور دین و دُنیا کی تفریق کا تباہ کُن تصور سامنے آگیا۔

لیکن اسکے برعکس محمدِ مصطفےٰ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت نے الہام و عقل کے درمیان توازن کا تصور دیا اور فقہ اسلامی اس عقلی و نقلی توازن کا زندہ ثبوت ہے۔یہی وجہ ہے کہ عقلیات و منطق میں امامت کا سہرا بھی مسلمانوں کے سَر سجتا ہے۔عقلیات کے سرخیل ہمیں علم اصولِ فقہ اور شرعی امور میں بھی قائدانہ مرتبے پر فائز نظر آتے ہیں۔چنانچہ اس سلسلے میں امام غزالیؒ اور امام رازیؒ کا نام بڑے فخر سے بطورِ مثال لیا جا سکتا ہے۔

اسلامی شریعت کے بنیادی ماخذ و مصادر قرآن و سُنّت ہیں۔اور ان دو بُنیادی مصادر ہی سے ماخوذ دو مزید مصادر اجماع اور قیاس ہیں۔جنھیں ہم ''اجتہاد'' کا نام دیتے ہیں اور یہ دونوں ثانوی مصادر دراصل اجتہاد ہی کے دو اُسلوب ہیں۔اور اجتہاد دراصل منصوص احکامِ شریعت کی بُنیاد پر کسی غیر منصوص نئے مسئلے کا شرعی حل و حکم معلوم کرنے کا نام ہے، جو کہ سراسر ''انسانی تعقُل'' کی صورت ہے۔اور اسلامی شریعت کا یہ امتیاز و خاصیت ہے جو دوسری شرائع سے اسے ممتاز بناتا ہے۔یعنی اسلامی شریعت میں انسان کی اِس خداداد صلاحیت ''عقل'' کی خاص رعایت کی گئی ہے اور اسے بھی دوسرے بنیادی و منصوص احکام کی طرح حجت تسلیم کیا گیا ہے۔البتہ شریعت کا یہ مسلّمہ مصدر و ماخذ غیر محدود و غیر مشروط نہیں بلکہ محدود و مشروط ہے۔ہماری اس رائے کی تائید جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی کی محاضراتِ فقہ میں اسطرح وارد ہوئی ہے:

''شریعت کے بنیادی احکام تو قرآن و سُنّت سے معلوم ہوتے ہیں اور شریعت کے اصل ماخذ بھی یہی دو

ہیں۔دو ثانوی ماخذ اور ہیں جو براہ راست قرآن وسُنت سے ماخوذ ہیں، وہ اجماع اور اجتہاد ہیں۔اجتہاد تو خود حدیث سے ثابت ہے اور قرآن مجید سے اس کی بالواسطہ طور پر تائید ہوتی ہے۔اسلئے اجتہاد کو ایک مستقل بالذات ماخذِ فقہ یا ماخذِ شریعت مانا گیا ہے۔فقہائے اسلام نے اس کو تسلیم کیا۔حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔" (۱۳)

اسی طرح ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے مصادرِ شریعتِ اسلامی کی ترتیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

"اجتہاد، یوں تو چوتھے نمبر پر بیان کیا جاتا ہے۔لیکن تاریخی ترتیب کے اعتبار سے اس کا نمبر تیسرا ہونا چاہیے۔ یہ وہ ماخذ ہے جس کی خود رسول اللہ ﷺ نے منظوری دی تھی۔قرآن مجید میں بالواسطہ اجتہاد کی طرف اشارات ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر اسکی اجازت عطا فرمائی۔" (۱۴)

مثلاً جب نبی اکرم ﷺ نے سعد بن معاذ کو قبیلہ بنو قریظہ کے معاملے میں ثالث بنایا تو انھوں نے اپنی رائے و اجتہاد کے مطابق فیصلہ کیا۔اور فرمایا:

.. میری رائے یہ ہے کہ ان کے جنگ جُو افراد کو قتل کیا جائے اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا جائے اور ان کا مال، غنیمت میں شامل کرلیا جائے..اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"درحقیقت تم نے اس اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا جو سات آسمانوں کے اوپر ہے۔" (۱۵)

اسلامی شریعت ایک رواں دواں اور فعال و متحرک (DYNAMIC) قانون ہے۔اسکی بڑی وجہ اسلامی شریعت کے اندر لچک پذیری اور تفکر و تدبّر اور فہم و ادراک اور اجتہاد کی روح کی موجودگی ہے۔اور اسلامی تعلیمات و شریعت میں آزادئ فکر و عقیدہ اور رائے کے عنصر کی قبولیت کا اس سلسلے میں بڑا نمایاں کردار ہے۔

اسلامی شریعت نے حُرّیتِ فکر کا یہ نظریہ اس وقت پیش کیا جب عالَم یہ تھا کہ لوگ اپنی عقل کو بند کرکے آباؤ اَجدَاد کی اندھی تقلید کررہے تھے۔اسلامی شریعت نے انسان کو آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے بجائے عقل وخرد سے کام لینے کی تعلیم دی ہے اور بار ہا تعقل و تدبّر کی ترغیب دلائی ہے۔کہ وہ اپنی عقلوں سے کام لیں اور اللہ کی اس عظیم عطا کا صحیح استعمال کریں،اسے عُضوِ معطل بنا کر غیروں کی اندھی تقلید اور خرافات و اوہام کے پیروکار نہ بنیں۔اور اسطرح اللہ کی ناشکری نہ کریں۔ارشادِ باری تعالٰی ہے:

"اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جِنّ اور انسان پیدا کئے ہیں۔جن کے دل تو ہیں مگر وہ اس سے سمجھتے نہیں،ان کی آنکھیں تو ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور انکے کان تو موجود ہیں مگر وہ ان سے سُنتے نہیں۔وہ چوپاؤں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ بدتر یہی لوگ غافل (و بے پرواہ) ہیں۔" (۱۶)

شریعتِ اسلامیہ میں انسان کی آزادیِ عقیدہ کو بھی تحفظ دیا گیا ہے اور غیر مسلموں کو بھی آزادیِ اختیارِ مذہب و عقیدہ عطا کی گئی ہے۔قرآنِ مجید میں اسلام کی اس پالیسی کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے کہ:

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ.

''دین (کے اختیار کرنے) میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔''(۱۷)

بندۂ مومن تو احکاماتِ شریعت پر بلا چُون و چرا عمل کرتا ہے اُسے پہلے کسی حکم کی مصلحت جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔مگر جیسا کہ سطورِ بالا میں بھی ہم نے کہا ہے کہ اسلام خود ہوش و حواس سے کام لینے کی تلقین و نصیحت اور ترغیب دیتا ہے، اس لئے بندگانِ خدا نے شریعت کے اسرار و رموز اور مصالح جاننے کی ہر دور میں شعوری کوشش بھی کی ہے۔چاہے وہ معزّز طبقہِ انبیاء میں سے ہوں یا بعد کے علماءِ اُمّت۔

حضرت ابراہیمؑ کا اللہ تعالٰی سے بچشمِ سَر مُردوں کو زندہ کرنے کے عمل کو دیکھنے کی دُعا اور موسٰیؑ اور حضرت خضرؑ کا واقعہ اس کی زندہ مثالیں ہیں۔اسی طرح علماءِ اُمّت نے شرعی احکام کی مصلحتوں پر بہت کام کیا اور تعقل و تدبر سے کام لیکر احکاماتِ شریعت کے مصالح معلوم کئے اور اُمّت کی راہنمائی کے لئے بڑی ضخیم کتب بھی تصنیف فرمائیں۔

احکامِ شریعہ اور ان کا تغیر و تبدل

دینی اصطلاح میں شریعت کے ضابطوں Rules کو احکامِ شرعی کہا جاتا ہے جن کے حصول کے ذرائع مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔قرآنِ مجید

۲۔سُنّتِ رسول ﷺ

۳۔اجتہاد [قیاس، اجماع استصحاب ،مصالح مرسلہ، استحسان اور عرف وغیرہ۔ مختلف فیہ ذرائع]

مذکورہ بالا دو بُنیادی مأ خذوں اور اُن سے مستنبط اصول و قواعد کی روشنی میں احکامِ شرعیہ کو سمجھنے کی کوشش (تعقل و تدبر) اور انسانی زندگی میں پیش آمدہ نئے مسائل کو قرآن و سُنّت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اور اِن کی روح کے مطابق حل کرنا ''اجتہاد'' کہلاتا ہے اور اس کے مختلف اسلوب ہیں۔

لیکن یہاں ایک نکتہ واضح رہنا چاہیے کہ: اجتہاد کا مقصد اسلامی تشکیلِ نو ہرگز نہیں ہوتا بلکہ یہ دراصل بدلتے ہوئے حالات اور ارتقائی مراحل سے گزرنے والے انسانی معاشرے کا تعلق اسلام سے جوڑے رکھنے کا عمل ہے۔ تا کہ وقت کے ساتھ ساتھ مسائلِ جدیدہ پر شرعی احکامات کی تطبیق ہوتی رہے اور شریعت کے مقاصد پورے ہونے کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں حاکمیتِ شرع رواں دواں رہ سکے۔بالفاظِ دیگر مقاصدِ شرع کے حصول کے لئے ''اجتہاد'' ایک لازمی امر، اسلامی شریعت کا ایک اہم عنصر اور تعقل و تدبّر کی ایک منظّم و منضبط کوشش کا نام ہے۔اسی طرح تبدیلیِ

احکام سے مراد کہیں نصوص کی تبدیلی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ان کی مختلف توضیح وتفسیر ہے جو تغیراتِ زمانہ، اسباب اور علل و عادات میں تبدیلی کے باعث لازم آتی ہے۔

اسلام چونکہ دینِ کامل اور ابدی ذریعہ ہدایت ہے۔شریعتِ اسلامیہ کے بُنیادی مأخذ، قرآن وسُنّت میں انسانی زندگی کے لئے اصولی ہدایات واضح طور پر موجود ہیں، تاہم گردشِ ایّام کے ساتھ ساتھ نئے حالات اور معاملات پیش آتے رہتے ہیں۔اسلامی شریعت کوئی قدامت پرست یا جامد قانون نہیں بلکہ دورِ جدید کے تقاضوں سے عہدہ براہونے اور حالات کے مطابق احکام کے استنباط اور مسائل کے حل کی صلاحیت واہلیت رکھتی ہے۔اور اس کے لئے شریعتِ اسلامی میں اجتہاد کی اجازت دی گئی ہے، تاکہ مرورِ حالات و زمانہ کے ساتھ سامنے آنے والے جدید مسائل اسلامی احکامات کی روشنی میں حل ہوسکیں۔لہٰذا انسانوں کی عملی زندگی کے لئے احکامات کی تبدیلی وترمیم بھی ایک لازمی اَمر ہے۔کیونکہ حیاتِ انسانی ایک رواں دواں چیز کا نام ہے۔

فقہاء کرام کے مطابق احکامِ شرع بُنیادی طور پر دو قسم کے ہیں؛ایک عبادات سے متعلقہ احکامات، اس قسم کے معاملات میں عبادات سے متعلقہ مسائل کے حوالے سے بحث ہوتی ہے۔(یہ حصہ یہاں زیر بحث نہیں ہے) اور دوسرے معاملاتِ دنیوی سے متعلقہ احکامات، اس قسم میں لوگوں کے دنیوی معاملات ومسائل شامل ہیں۔جن کی غرض وغایت لوگوں کی دنیوی فلاح و بہبود ہوتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ۔۔۔شریعت کے احکامات میں مقاصدِ شریعت کی تکمیل کے پیشِ نظر کہاں تک تبدیلی جائز ہے؟

اس سلسلے میں صاحب الموافقات کی رائے ہے:

''اگر قرآن وسُنّت کا کوئی حکم دین وعبادت کے متعلق ہے تو وہ اس وقت تک باقی رہے گا جب تک زمین، زمین ہے اور آسمان، آسمان ہے۔کیونکہ اصولِ دین اور توحید و ایمان کے ضابطے حقیقی ہیں اور ناقابلِ تبدیلی، نیز ازلی وابدی ہیں۔ان تمام ضابطوں میں نص کے حکم کی اطاعت لازمی ہے۔''(۱۸)

اور اسی طرح علامہ ابنِ حزم کی رائے کے مطابق ؛

''چونکہ دین ہر متنفس اور ہر اس شخص کے لیے جو روئے زمین پر کہیں پیدا ہوا ہو، قیامت تک کے لئے ضروری ہے، لہٰذا اس پر زمان ومکان اور حالات کی تبدیلی کا کوئی اثر نہ ہوگا اور دینی مسائل میں جو کچھ قرآن وسنّت سے ثابت ہے، وہ ہر زمانے میں، ہر جگہ اور ہر حال میں باقی رہے گا۔''(۱۹)

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، داؤد ظاھری جیسے اصولیین کا یہی مؤقف ہے۔(۲۰)،(۲۱)

یہ تو منصوص احکام اور وہ بھی ایمانی وتعبدی امور سے متعلقہ متقدمین فقہاء کی رائے ہے اور غیر منصوص احکام و

امور کے بارے میں اجتہاد و استنباطِ احکام میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔البتہ متقدمین فقہاء کے محولہ بالا اقوال کے باوجود اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ بعض خلفاء،فقہاء اور ائمہ ایسے رہے ہیں کہ جنھوں نے اپنے اجتہاد سے سبب،عرف و عادت یا رواج کے بدل جانے اور وقتی مصالح کے پیشِ نظر منصوص احکامات میں تبدیلیاں کی ہیں۔جن کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ اور تبدیلیِ احکام

حضرت عمر فاروقؓ اپنے دورِ خلافت میں عوام کی فلاح و بہبود،ان کے حقوق اور رعایا کے مصالح کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔آپؓ کے دور میں مملکتِ اسلامیہ کو بڑی وسعت ملی۔یہی وجہ ہے کی اس وسعت کے ساتھ ساتھ لوگوں کے مسائل اور انکی ضروریات میں بھی اضافہ ہوا اور جنابِ عمر فاروقؓ کو بحیثیت امیر المؤمنین ذاتی اجتہاد سے حسبِ ضرورت بعض احکام میں تخفیف و ترمیم بھی کرنا پڑی۔جن میں سے پانچ اہم امثلہ حسبِ ذیل ہیں۔

الف۔چوری میں قطعِ ید کی سزاء کی موقوفی

قرآنِ مجید میں چور کی سزا بیان کرتے ہوئے ارشادِ الٰہی ہے:

والسارق والسارقة فاقطعوا ایدیھما۔(۲۲)

''چوری کرنے والے مَرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔

حضورِ اکرمﷺ کا قول و عمل بھی اسی آیت کے مطابق رہا۔مگر خلیفۂ ثانی نے اپنے دورِ خلافت میں قحط سالی کے دوران لوگوں کی مشکلات و ضروریات کی بنا پر اس سزا کو موقوف کر دیا اور فقہاءِ اُمّت کا اسی پر اجماع بھی ہے۔

ب۔ایک ہی نشست میں تین طلاق کو بائن قرار دینا

حضورِ اکرمﷺ،خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خود حضرت عمرؓ کے شروع کے دور میں شوہر کی طرف سے بیوی کو ایک ہی نشست میں تین بار دی جانے والی طلاق ایک (رجعی) ہی شمار ہوتی تھی(۲۳)۔لیکن اس کے باوجود حضرت عمر فاروقؓ نے جب اپنے زمانے میں دیکھا کہ لوگوں نے اسے کھیل تماشا بنا لیا ہے اور کثرت سے اس طرح طلاق دی جانے لگی ہے تو ایسی طلاق کو بائن قرار دے دیا۔(۲۴)

ج۔مصرفِ زکوٰۃ:''تألیفِ قلب'' کی موقوفی

قرآنِ مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ معینہ مصارف (۲۵) میں سے چوتھا مصرف:''المؤلّفة قلوبھم'' ہے۔یعنی تألیفِ قلب کے لئے۔اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی خیرات کے ذریعے دلجوئی کر کے اسلام پر قائم رکھا جاتا ہے۔اور یہ دلجوئی خواہ ان کے ضعفِ ایمان کی وجہ سے ہو یا اُن کا شر دور کرنے کے لئے یا اُن کے قبیلے میں اُن کے مرتبے کے پیشِ نظر۔(۲۶)

اس واضح نص کے باوصف حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں مصارفِ زکوٰۃ میں سے اس حصہ کو ختم کر دیا اور متعلقہ لوگوں کو بتا دیا کہ...''حضور اکرم ﷺ تمھیں اس لئے یہ عطا کرتے تھے کہ اس کے ذریعے تمہاری دلجوئی کر کے تمھیں اسلام پر قائم رکھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اب اسلام کو طاقتور بنا دیا ہے اور تم سے بے نیاز کر دیا ہے۔ پس اگر تم اسلام پر قائم رہو تو تمھارے لئے بہتر ہے۔ ورنہ ہمارے اور تمھارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔(۲۷)

د۔ غیر شادی شدہ زانی کی سزا میں اضافہ

حضورِ اکرم ﷺ کی سُنّت کے مطابق اور جمہور فقہاء کے نزدیک غیر شادی شدہ زانی کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلا وطنی ہے(۲۸)۔ لیکن اس واضح نص کے باوجود آپؓ کا ربیعہ بن امیہ (جو آپؓ کی طرف سے شہر بدری پر رومیوں سے جاملا) کے حوالے سے، عمل اور قول ہے کہ...''لا اغرب بعد ھا احدا۔''(۲۹)

یعنی اس کے بعد کبھی کسی کو شہر بدر نہ کروں گا۔ اور آپ کے اس فیصلے کی بنیاد یہ تھی کہ کہیں مسلمان اس طرح دشمنوں سے جا نہ ملیں۔ حالانکہ آپؓ کا یہ فیصلہ صریحاً خلافِ نص تھا۔

ح۔ تعزیری سزا میں اضافہ

حضور اکرم ﷺ نے تعزیری سزا کے لئے یہ راہنمائی دی ہے کہ؛

لا یلجد فوق عشر جلدات الّا فی حد من حدود اللہ۔(۳۰)

''کسی جرم میں دس کوڑوں سے زیادہ سزا نہ دی جائے سوائے اُن سزاؤں کے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہیں۔''

اسلامی قانون میں تعزیری سزا سے مراد وہ سزا ہوتی ہے جو شرع میں پہلے سے کسی جرم کے لئے مقرر نہیں ہوتی اور حاکم کی صوابدید ہوتی ہے کہ جرم کی مناسبت سے جو سزا ضروری سمجھے دے سکتا ہے۔ مگر اسکی ایک حد مذکورہ بالا فرمانِ نبوی ﷺ میں متعین کر دی گئی ہے اور یہ زیادہ سے زیادہ دس کوڑے ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اس صریح نص کی موجودگی کے باوجود اُس شخص کو سو کوڑوں کی سزا دی تھی جس نے اسلامی بیت المال کی جعلی مہر بنا لی تھی۔(۳۱)

۲۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ اور ھدیہ کی وصولی

حضور اکرم ﷺ، حضرت ابو بکر صدیقؓ، اور حضرت عمرؓ اپنے دور میں لوگوں کا ہدیہ قبول فرماتے تھے، مگر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایسا کرنا بُرا جانا اور اسے رشوت سمجھتے ہوئے قبول نہ کیا اور یہ آپؒ کا بحیثیت امیر المومنین اپنا اجتہاد تھا۔ چنانچہ آپؒ کا فرمان ملتا ہے کہ؛

''کانت ھدیة فی زمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ھدیة والیوم رشوة۔''

...ھدیہ، رسول اللہ کے زمانے میں ہدیہ تھا لیکن آج کل وہ رشوت کے حکم میں ہے۔(۳۲)

۳۔ذمی کے خون بہا کی تبدیلی

امام بیہقی نے امام زہری سے ایک روایت بیان کی ہے کہ:حضور اکرم ﷺ،حضرت ابو بکر صدیقؓ،حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانے میں عیسائی اور یہودی کا خون بہا مسلمانوں کے خون بہا کے برابر ہوا کرتا تھا۔حضرت معاویہ نے خون بہا کا نصف بیت المال کے لئے مخصوص کر دیا تھا اور نصف مقتول کے ورثاء کے لئے۔عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی نصف تو ورثاءِ مقتول کے لئے مقرر کیا تھا اور نصف جو بیت المال والا حصہ تھا اسے معاف کر دیا تھا۔(۳۳)

یعنی ان دو خلفاءِ مسلمین کا عمل سُنّت اور تعاملِ صحابہ سے مختلف تھا اور یقیناً مبنی بر مصلحت ہی ہوا ہوگا۔

تبدیلیِ احکام کی مندرجہ بالا مثالوں کے تجزیے سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ تعبدی امور میں سے کوئی چیز اس میں شامل نہیں ہے بلکہ یہ (محولہ بالا) تمام تبدیلیاں معاملات کے ضمن میں ہیں۔

۲۔ خلفاء و امراء المؤمنین نے جو تبدیلیاں فرمائیں، وہ اُن کا بحیثیتِ حکمران انتظامی حق و اختیار تھا۔جو انھوں نے استعمال فرمایا۔امورِ متبدلہ کا تعلق جزوی اور مقامی مسائل سے ہے، نہ کہ کُلی اور عالمی سے۔

۳۔ تبدیلیِ احکام کی مندرجہ بالا تمام مثالوں میں انفرادی اجتہاد کارِفرما ہے۔

۴۔ بہت سے معاملات ایسے ہیں جو فی الحقیقت سنّت میں شامل ہی نہیں ہیں مگر انھیں بھی سُنّت ہی سمجھا جا رہا ہوتا ہے۔حالانکہ دین میں بنیادی واصولی راہنمائی دینے کے بعد انسان کی دنیاوی زندگی کا بہت بڑا میدان خود اس کے لئے کھلا چھوڑا گیا ہے تاکہ اس کی شخصی آزادی بھی برقرار رہے اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی دی ہوئی عظیم نعمت ''عقل وشعور'' کا بھی استعمال کرے۔

مذکورہ بالا تبدیلیِ احکام کی مثالوں اور سامنے آنے والے نکات کی روشنی میں ہماری عاجزانہ معروضات کچھ یوں ہیں:

۱۔ یہ بات تو اصولی طور پر دُرست معلوم ہوتی ہے کہ عقائد وعبادات کے سوا انسانی معاملات میں مرورِ زمانہ اور حالات و واقعات کے بدل جانے سے احکامات میں تبدیلی ہوتی رہنی چاہیے۔کیونکہ شریعتِ اسلامیہ رہتی دنیا تک کے لئے راہنما اور ایک متحرک وفعّال (Dynamic) قانونِ الٰہی ہے۔ہماری اس بات کی تائید ڈاکٹر عبدالحمید السوٗسوۃ کی کتاب میں بھی موجود ہے۔آپ لکھتے ہیں:

''یہ بات معلوم ہے کہ تعبدی اُمور میں احکامِ شرعیہ کو توقیفی اُمور شمار کیا جائے گا اور ان احکام کو اس طرح قائم کرنا واجب ہے، چاہے ہمیں ان کی مصلحت کا علم ہو یا نہ ہو۔لیکن بعض احکامات ایسے ہوتے ہیں جو کسی معین مصلحت کے ثبوت کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔پس جب مصلحت تبدیل ہو جائے یا ختم ہو جائے تو وہ حکم بھی تبدیل ہو جاتا ہے یا

اس کے سبب میں توقف کی وجہ سے حکم میں بھی توقف ہوگا۔''(۳۴)

مولانا محمد حنیف ندوی اپنی کتاب ''مسئلہِ اجتہاد'' میں اجتہاد و رائے کا دائرہِ اثر ...کے تحت اسی رائے کی تائید و توضیح کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

[''...اس بحث سے تکمیلِ دین اور ابدیتِ اسلام کے موضوع پر کچھ اثر نہیں پڑتا' کیونکہ اس کا سرے سے یہ دعوٰی ہی نہیں ہے کہ دنیاوی حالات نہیں بدلیں گے' معاشرہ نئی نئی تبدیلیوں کو قبول نہیں کرے گا اور نئے نئے اقتصادی و سیاسی ڈھانچوں کو اختیار کرنے سے نئے نئے مسائل نہیں اُبھریں گے بلکہ اس کا جو دعوٰی ہے وہ اتنا ہی ہے کہ عبادات وعقائد کا جو نقشہ اس نے کھینچا ہے اس پر قیامت تک کوئی اضافہ ممکن نہیں....''

اسی بحث میں آگے جا کر وہ لکھتے ہیں کہ؛

''...صرف انھی نصوص میں اجتہاد چلے گا جو معاملات سے متعلق ہیں' رہے وہ امور جو تعبدیات کے دائرے میں آتے ہیں' تو ان کو فکر و رائے کے تقاضے چھو بھی نہیں سکیں گے۔''

لیکن وہ ایسا کرنے کے لئے تین شرائط کا اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...اس پر تین شرطیں اور وضاحتیں بڑھا دیجیے کہ:

الف) معاملات سے بھی ایسے معاملات مراد ہیں جن کو اگر قائم رہنے دیا جائے اور ان کی سمتوں کو اگر نہ بدلا جائے تو اسلام ہی کے کسی اونچے اصول و نصب العین کو نقصان پہنچتا ہے' جو بجائے خود ایسا ہے کہ قرآن کی متعدد تصریحات سے اسکی تائید ہوتی ہے۔

ب) یہ معاملات ایسے ہوں کہ ان کا شمار مباحات میں ہوتا ہو۔

ج) پھر جب اس میں تغیّر روا رکھا جائے اور نئی صورت میں پیش کیا جائے تو اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھا جائے کہ قرآن وسُنّت سے جس انداز اور مزاج کا پتہ چلتا ہے' یہ تغیّر اس کے ساتھ پوری پوری مناسبت رکھتا ہو۔

...اس شکل میں اجتہاد کا بہاؤ سمٹ کر صحیح رُخ اختیار کرلے گا اور زیادہ سے زیادہ اسکے یہ معنٰی ہوں گے کہ آپ نے ایک نص سے پلٹ کر گویا دوسری اتنی ہی اہم نص سے تمسک کیا ہے' جس طرح حضرت عمرؓ نے طاعون عمواس میں حضرت ابوعبیدہؓ کے جواب میں کہا تھا کہ؛

افرعن قضاء الله الی قضاء الله۔ کہ میں نے اللہ کی ایک قضاء سے دوسری قضاء کی طرف فرار اختیار کیا ہے۔'']''(۳۵)

۲۔ خلفاء وامراء المؤمنین نے جو تبدیلیاں فرمائیں، وہ اُن کا بحیثیتِ حکمران انتظامی حق و اختیار تھا۔ جو انھوں نے استعمال فرمایا اور حکمران کو اس طرح کا محدود حق دیے بغیر شاید مقاصدِ شریعت اور مصالح عامہ کی پاسداری بھی ممکن

نہیں ہو سکتی۔

علماء کے ایک گروہ کے مطابق خلافتِ راشدہ میں خلیفہ ہمہ مقتدر تھا اور سارے انتظامی، قانونی اور عدالتی اختیارات اسکی ذات میں جمع تھے۔(۳۶)،(۳۷)

ڈاکٹر محمد امین دورِ خلافتِ راشدہ میں اجتہادی پہلو کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''چنانچہ خلفاءِ راشدین خصوصاً حضرت عمر کے زمانے میں جو بعض تبدیلیاں ہوئیں وہ خدانخواستہ کسی قرآنی ونبوی حکم کا نسخ نہ تھیں بلکہ وہ حالات کے بدلنے یا زوالِ علت کے سبب سے تھیں۔مثلاً تین طلاقوں کا نفاذ، مؤلفۃ القلوب کا خاتمہ، اور عورتوں کو مسجد جانے سے روکنا وغیرہ۔''(۳۸)

خلیفہ یا حکمرانِ وقت کو بعض اوقات ایسے فیصلے لینے پڑتے ہیں جو بظاہر معمول سے ہٹ کر ہوتے ہیں مگر مصلحتِ عامہ کا تقاضا ہوتا ہے کہ ایسا ہی کیا جائے اور اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔تاہم یہ بہت حساس اور نازک معاملہ ہے۔ ہرکس و ناکس کو یہ اجازت نہیں کہ مصلحت کو بنیاد بنا کر احکاماتِ اسلامیہ کو منسوخ و معطل کرتا پھرے۔اس کے لئے گہری اجتہادی اہلیت و بصیرت کی ضرورت ہے، جو کہ فی زمانہ بالعموم اسلامی ممالک کے حکمرانوں میں مفقود دکھائی دیتی ہے۔مگر اس حقیقت کا سِرے سے انکار کردینا بھی قرینِ انصاف نہیں ہے۔

۳۔ تبدیلیٔ احکام کی مندرجہ بالا تمام مثالوں میں انفرادی اجتہاد کارفرما ہے۔اور جن اصحابِ عالی مرتبت سے منسوب ہے وہ اس کے لئے گہری اجتہادی اہلیت و بصیرت رکھتے تھے، جو کہ فی زمانہ بالعموم اسلامی حکمرانوں میں مفقود دکھائی دیتی ہے۔اس لئے ہماری رائے یہ ہے کہ فی زمانہ اس طرح کی تبدیلی یا فتویٰ اکیلے طور پر حکمران یا کسی فقیہ کو اپنے ذاتی و انفرادی اجتہاد سے نہیں کرنی چاہیے بلکہ جب کبھی زمان و مکان و مصلحت مقتضی ہو تو اجتماعی اجتہاد کا راستہ اختیار کرلیا جائے۔تاکہ انفرادی کے بجائے اجتماعی بصیرت (Collective wisdom) سے استفادہ کیا جاسکے جو زیادہ قابلِ اعتماد ہوگا۔

۴۔ بہت سے معاملات ایسے ہیں جو فی الحقیقت سنّت میں شامل ہی نہیں ہیں مگر انھیں بھی سُنّت ہی سمجھا جارہا ہوتا ہے۔حالانکہ دین میں بنیادی و اصولی راہنمائی دینے کے بعد انسان کی دنیاوی زندگی کا بہت بڑا میدان خود اس کے لئے کھلا چھوڑا گیا ہے تاکہ اس کی شخصی آزادی بھی برقرار رہے اور وقت کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی دی ہوئی عظیم نعمت ''عقل و شعور'' کا بھی استعمال کرے۔اس بات کی تائید خود حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔صحیح مسلم کی روایت ہے کہ:

ایک دفعہ رسول اللہ ایسے گروہ کے پاس سے گزرے جو نَر کھجور کا گودا مادہ کھجور میں ڈال رہے تھے۔یہ دیکھ کر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''یہ لوگ کیا کررہے ہیں؟'' لوگوں نے بتایا کہ نَر کھجور کا گودا مادہ کھجور میں ڈال رہے

ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔''تو ان لوگوں کو حضور کے اس ارشاد کی خبر دی گئی تو اُنھوں نے یہ عمل ترک کر دیا۔لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس بار کھجوریں اچھی نہ ہوئیں۔جب اس بات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا؛

''انما انا بشر اذا أُمرتکم بشئ من رأیی فانما انا بشر۔انتم اعلم بامور دنیاکم۔''(۳۹)

...یعنی میں بھی انسان ہوں ؛ جب میں تمھیں دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو تم اس پر عمل کرو اور جب میں (دنیاوی امور میں) اپنی رائے سے کوئی حکم دوں تو میں بھی انسان ہوں،اور تم اپنے دنیاوی معاملات کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔

مولانا محمد حنیف ندوی نبوت کی تین سطحوں میں سے سطحِ بشری کی وضاحت کرتے ہوئے اس حدیثِ مبارکہ کے تناظر میں لکھتے ہیں:

''کیوں کہ نبوّت کا،بہر آئینہ ایک متعین دائرہ ہے۔اس دائرے میں نبی سے بڑھ کر اور کوئی شخص اَعلم یا افضل یقیناً نہیں ہوسکتا۔لیکن زندگی و وجود کے کچھ دائرے یا حلقے بھی ہیں' اور یہ قطعی ضروری نہیں کہ ان سب کے متعلق بھی انبیاء کی رائے اتنی ہی حجیت و استناد کی متقاضی ہو' جتنی کہ امورِ دینی میں۔جس طرح ایک طبیب کا قول فنِ تعمیر میں اور ایک شاعر کی بات مصوری میں مستند نہیں ہوتی'اس طرح پیغمبر جب دائرہ بشریت کی بات کرتا ہے یا اس سطح سے متعلق کچھ کہتا ہے تو اِس کے رَد و قبول میں (اُمتی کو) اختیار ہے۔''(۴۰)

پس معلوم ہوا کہ کوئی ایسی نص جو اجتماعی و دنیاوی معاملات کے برعکس،محض حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی و بشری زندگی سے متعلق کسی معاملے کی نشاندہی کر رہی ہو تو اُمّت کے لئے اُس پر عمل کرنا لازم نہیں کیا جا سکتا اور اس کے برخلاف کوئی دوسرا مناسب راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے۔جس طرح رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے محولہ بالا حدیث میں خود اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

خلاصۂ بحث

زیرِنظر مقالہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی شریعت ایک دائمی،رواں دواں اور فعّال شریعت ہے۔جس میں ایک طرف تو تا قیامت انسانوں کے لیے مستقل ہدایات و راہنمائی موجود ہے تو دوسری طرف تعقّل و تدبّر اور اجتہاد کے اسلامی اصول و تعلیم کے تحت اس میں ہر زمانے کے تقاضوں اور ضروریات سے عہدا برا ہونے کی صلاحیت بھی۔لہٰذا انسانوں کی عملی زندگی کے لئے احکامات کی تبدیلی و ترمیم بھی ایک لازمی اَمر ہے۔کیونکہ حیاتِ انسانی ایک

رواں دواں چیز کا نام ہے۔

ایمانی وتعبدی امور کو چھوڑ کر دیگر دنیاوی معاملات میں قرآن وسُنّت کے معیّن اصولوں کی بنیاد پر ہر دور میں مقاصدِ شریعت اور مصالح عام کے تحفظ کے لیے قانون سازی کی جاسکتی ہے اور کی جاتی رہی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اسلامی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جہاں مقاصد شریعت ومصالح عام کی خاطر واضح نصوص کے باوجود احکامات کی متبدل شکل کا نفاذ عمل میں لایا گیا۔اور اس کی بنیاد میں اسلام کا نظریہ اجتہادِ اور اسلام کی تعلیمِ تعقل وتدبّر ہی کارِفرما رہا ہے۔

اجتہاد دراصل انسانی زندگی میں پیش آمدہ نئے مسائل کا قرآن وسُنّت کی حدود کے اندر رہتے ہوئے (تعقّل وتدبّر سے کام لیتے ہوئے) اور اِن کی روح کے مطابق حل تلاش کرنا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اجتہاد کا مقصد اسلامی تشکیلِ نو ہرگز نہیں بلکہ یہ دراصل بدلتے ہوئے حالات اور ارتقائی مراحل سے گزرنے والے انسانی معاشرے کا تعلق اسلام سے جوڑے رکھنے کا عمل ہے تاکہ وقت کے ساتھ ساتھ مسائلِ جدیدہ پر شرعی احکامات کی تطبیق ہوتی رہے اور شریعت کے مقاصد پورے ہونے کے ساتھ ساتھ عملی زندگی میں حاکمیتِ شرع رواں دواں رہ سکے۔بالفاظِ دیگر مقاصدِ شرع کے حصول کے لئے ''اجتہاد'' ایک لازمی اَمر اور اسلامی شریعت کا ایک اہم عنصر ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اس طرح کی تبدیلیِ احکام سے مراد کہیں نصوص کی تبدیلی نہ سمجھ لیا جائے بلکہ ان کی مختلف توضیح وتفسیر ہے جو تغیراتِ زمانہ،اسباب اور علل،عادات وحالات میں تبدیلی کے باعث لازم آتی ہے۔اسلامی شریعت کی یہی حرکی حیثیت یہ ثابت کرتی ہے کہ تا قیامت انسانیت کی راہنمائی یہی شریعت کرسکتی ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

مراجع وحواشی

(۱) (الف) نعمانی،مولانا محمد عبدالرشید۔لغات القرآن،ج ۳،ص ۲۶۷،مطبوعہ دارالاشاعت،اردو بازار کراچی،نومبر،۱۹۸۶ء

(ب) کیرانوی،قاسمی،وحید الزماں۔القاموس الوحید،ص:۸۵۶،۸۵۷،مطبوعہ ادارہ اسلامیات،لاہور،جون ۲۰۰۱ء

(ج) دہلوی،سید احمد۔فرہنگِ آصفیہ،ج ۳،ص:۱۷۴،مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور،جنوری ۱۸۹۸ء

(۲) (الف) محمد بن مکرّم بن منظور،جمال الدین۔لسان العرب،۱۷۶/۸،مطبوعہ بیروت،مصر۔

(ب) دہلوی،سید احمد۔ایضاً

(۳) اصفہانی،امام راغب۔المفردات فی غریب القرآن،ص:۵۳۴،طابع،شیخ شمس الحق،کشمیر بلاک،اقبال ٹاؤن،لاہور،جون ۸۷ء

(۴) اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ:۷۰۵/۱۱،مطبوعہ زیرِ انتظام دانش گاہ پنجاب (پنجاب یونیورسٹی) لاہور،مارچ،۱۹۶۳ء

(۵) صبحی محمصانی، ڈاکٹر۔فلسفہ شریعتِ اسلام (مترجمہ مولوی محمد احمد رضا)،ص: ۱۷،مطبوعہ مجلسِ ترقی ادب، لاہور، طبع ششم، جون ۱۹۸۱ء۔
(۶) شہری، محمد رے۔''عقل و جہل قرآن وحدیث کی روشنی میں''، مشمولہ:
Quran.al-shia.org,retrieved on April 6,2013 from
http://quran.al-shia.org/urd/maqalat/19.htm
(۷) سورہ النساء، آیت:۸۲
(۸) سورہ نور، آیت:۶۱
(۹) ابو بکر ابی الدنیا، حافظ، علاّمہ۔''عقل اور اسکا مقام''(مترجمہ علامہ ڈاکٹر حبیب اللہ مختار)'' ص:۲۱، مطبوعہ دار التصنیف، جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
(۱۰) ایضاً۔ص:۲۱،۲۲
(۱۱) عثمانی، مولانا شبیر احمد۔''کتاب العقل والنقل'' ص:۳۸، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور۔(سنِ اشاعت ندارد)۔
(۱۲) ایضاً۔ص:۴۶
(۱۳) غازی، محمود احمد، ڈاکٹر۔''محاضراتِ فقہ'' ص: ۳۳۰، مطبوعہ الفیصل ناشران وتاجرانِ کُتب لاہور۔۲۰۰۵ء
(۱۴) ایضاً۔ص: ۹۵
(۱۵) الخطیب، حسن۔''فقہ الاسلام''، ص:۴۹۸، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی۔اگست ۱۹۸۲ء
(۱۶) سورہ اعراف، آیت:۱۷۹
(۱۷) سورہ البقرۃ، آیت:۲۵۶
(۱۸) الشاطبی، المالکی، ابی اسحٰق، ابراہیم بن موسیٰ۔الموافقات فی اصول الشرعیۃ، ص: ۳۰۰، ج ۲، مطبع رحمانیہ، مصر۔[تاریخِ اشاعت ندارد]
(۱۹) ابنِ حزم، علی ابن احمد ابن سعید۔الاحکام الاصول احکام، جلد ۵، ص: ۵، مطبعۃ السعادۃ، مصر، ۱۳۴۸ھ۔
(۲۰) الشافعی، محمد بن ادریس، ابو عبداللہ۔کتاب الاُمّ، جلد ۷، ص: ۲۷۵، بولاق، ۱۳۲۵ھ۔
(۲۱) الجوزی، ابن القیّم، حافظ ابو بکر۔اعلام الموقعین عن رب العالمین، جلد ۲ ص: ۲۰۸، مطبع منیریہ، مصر۔
(۲۲) سورۃ المائدۃ، آیت: ۳۸
(۲۳) صحیح مسلم (بروایت ابنِ عباس)۔بشرح نووی، جلد ۱۰، ص: ۷۰، مطبع حجازی، قاہرہ، ۱۳۴۹ھ۔
(۲۴) صبحی محمصانی، ڈاکٹر۔ایضاً، ص:۲۵۳
(۲۵) سورۃ التوبہ، آیت: ۶۰
(۲۶) ابن الہمام، کمال الدین۔فتح القدیر، شرح الہدایہ جلد ۲ (مع اختلاف مذاہب)، ص:۱۴، ۱۵۔ بولاق، ۱۳۱۵۔۱۳۱۸ھ۔
(۲۷) صبحی محمصانی، ڈاکٹر۔ایضاً، ص:۲۵۲
(۲۸) الشوکانی، محمد بن علی بن محمد۔نیل الاوطار، شرح منتقی الاخبار، جلد ۷ ص: ۲۳، مطبع حلبی، مصر، ۱۳۴۸ھ۔
(۲۹) صحیح مسلم، جلد ۵، ص:۱۲۶۔ مطبع صبیح، مصر، ۱۳۳۴ھ۔
(۳۰) صبحی محمصانی، ڈاکٹر۔ایضاً، ص: ۲۵۶
(۳۱) عینی، بدرالدین محمود بن احمد۔عمدۃ القاری، شرح صحیح بخاری، جلد ۲۴، ص:۲۳، مطبع حجازی، قاہرہ مصر۔

(۳۲) الشوکانی،محمد بن علی۔نیل الاوطار،شرح منتقی الاخبار،جلد ۷ص:۵۵،مطبع حلبی،مصر،۱۳۴۸ھ۔

(۳۳) ایضاً۔

(۳۴) السوٴسوة،عبدالحمید،ڈاکٹر۔الاجتھاد الجماعی فی التشریع الاسلامی،ص:۱۱۷،ناشر،وزارۃ اوقاف و الشؤن الاسلامیة الدوحة،قطر۔

(۳۵) ندوی،مولانا محمد حنیف،۔مسئلہِ اجتہاد(طبع چہارم)،ص:۱۹۶۔۱۹۹،مطبوعہ،ادارہ ثقافت اسلامیہ،کلب روڈ، لاہور،۱۹۹۴ء۔

(۳۶) خلاف،عبدالوہاب۔السلطات الثلاث فی الاسلام،مشمولہ:مجلّہ''القانون والاقتصاد،عدد ۴۵۹،کلیة حقوق، جامعہ قاھرہ،مصر،طبع مارچ،۱۹۳۶ء

(۳۷) متولی،عبدالحمید۔ازمة الفکر السیاسی الاسلامی فی العصر الحدیث،ص:۳۱۵،مطبوعہ منشأ ۃ المعارف،اسکندریہ۔

(۳۸) محمد امین،ڈاکٹر۔عصرِ حاضر اور اسلام کا نظامِ قانون(طبع اول)،ص:۶۱،مطبوعہ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور،۱۹۸۹ء۔

(۳۹) صحیح مسلم۔جلد ۷،ص:۹۵۔مطبع صبیح،مصر،۱۳۳۴ھ۔

(۴۰) ندوی،محمد حنیف،مولانا۔ایضاً،ص:۱۵۱،۱۵۲